رُودادِ ابتلاء : احمد رائف مصری

(۱۱)

جناب خلیل الحامدی صاحب

میں بے قابو ہو کر دھیمی دھیمی آواز میں اسٹور کے اندر موجود لوگوں سے پوچھنے لگا کہ ساتھیو یہ تو بتاؤ کہ تم میں سے کوئی خانکاہ کے رہنے والے شعبان نامی شخص کو جانتا ہے؟ ایک ہچکیاں لیتا ہوا انسان لڑکھڑاتی آواز میں آہستہ سے بولا: میں خانکاہ کا رہنے والا ہوں۔ میرے علم میں وہاں شعبان نامی کوئی شخص نہیں رہتا۔ ہاں ایک ساٹھ برس کا بوڑھا شاید اس نام سے موسوم ہے جو وہاں کی ڈسپنسری میں چپڑاسی ہے۔

میں اس کے مزید قریب ہوا اور بڑی دردمندی کے ساتھ اُس سے پوچھا: کیا اُس ڈسپنسری والے شعبان کا تم سے کوئی تعلق ہے؟

میرے ساتھ تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اَن پڑھ آدمی ہے۔ سیاست کی باتیں اُس کے فہم و شعور سے بالا ہیں۔

کیا اخوان کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق ہے؟

ہرگز نہیں۔

آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اُس کا اخوان سے کوئی تعلق نہیں؟

(سپاہیوں کی آمد کے خوف سے دبی زبان کے ساتھ): میں اخوان میں سے ہوں۔ یقین جانیے۔ پورے علاقہ میں اخوان کی جماعت میں ایک بھی ایسا شخص نہیں ہے جس کا نام شعبان ہو۔

میں نے دوبارہ لجاجت کے ساتھ اور خدا کا واسطہ دے کر اُسے پوچھا: براہ کرم کچھ تو بتا دیں۔

آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں ؟

مجھے شعبان کے بارے میں کوئی معلومات دیں۔

کیا وہ شعبان جو ڈسپنسری میں چپڑاسی ہے ؟

جی ہاں۔

کس لیے ؟

مجھ سے جیل کے جلاد شعبان کے بارے میں پوچھ گچھ کریں گے اور مجھے قطعاً اس شخص کا کوئی علم نہیں ہے۔

بڑی بد دلی کے ساتھ بات کو ختم کرتے ہوئے وہ مجھے کہنے لگا: ہم میں سے ہر شخص ایک پیچیدہ مشکل میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اور پھر میں آپ کو بتا تو چکا ہوں کہ یہ ڈسپنسری والا مسکین شعبان دنیا کے بارے میں کوئی خبر نہیں رکھتا۔ شاید وہ کبھی خانگاہ سے باہر کہیں گیا بھی نہ ہو۔ کسی سیاسی سرگرمی سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ شاید اسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ان دنوں مصر کا حاکم کون ہے۔ جس شعبان کے بارے میں آپ سے پوچھا جا رہا ہے وہ خانگاہ والا شعبان نہیں ہو سکتا۔ آپ بھی اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچیں۔ اور مجھے بھی مشغول نہ کریں۔

لیکن......

(اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا) براہ کرم چپ ہو جائیے۔ میرا دماغ خود پریشانی میں مبتلا ہے۔ جتنا کچھ میں بتا چکا ہوں اس سے زیادہ شعبان کے بارے میں میرے پاس اور کچھ کہنے کو نہیں ہے۔

پھر وہ حسب سابق اپنی ویران دنیا کی طرف متوجہ ہو گیا اور بہکی بہکی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور خوف و اضطراب اور تفکر کی جس حالت میں وہ پہلے مبتلا تھا وہ پھر عود کر آئی۔ میں نے بہت جتن کیے کہ اس سے شعبان کے بارے میں کچھ اگلواؤں مگر ناکام رہا۔ اپنی پتھرائی ہوئی اور ویران آنکھوں کے جھروکے سے میں مختلف ساتھیوں کے چہرے پڑھتا اور غیر شعوری انداز میں ان کا جائزہ لیتا۔ یوں محسوس ہوتا کہ کرب ان چہروں کو اسی طرح سے چبا رہا ہے جیسے درندہ شکار کو بھنبھوڑتا ہے۔ یہ زرد رنگ کے چہرے، حزن و ملال میں ڈوبے ہوئے۔ اور ان پر گاڑھے خون میں لت پت مٹی کی تہیں جمی ہوئیں۔ بعض چہروں پر خون ابھی تازہ تازہ چمک رہا تھا جو بھوؤں کے اوپر سے بہ کر گالوں پر لکیریں ڈالتا ہوا انسانیت

کا مرثیہ لکھ رہا تھا۔ مگر یہ لوگ خون کی ان لکیروں کی طرف دھیان ہی نہ دے رہے تھے۔ وہ مکمل حواس باختگی کے عالم میں تھے۔ کیا نرالا منظر تھا کہ انسان کے چہرے اور کپڑوں پہ خون کی دھاریں بہ رہی ہوں مگر وہ اس کے سوا کچھ نہ کر پاتا ہو کہ اگر وہ دھاریں اُس کی آنکھوں میں داخل ہونے لگیں تو انہیں انگلیوں سے پونچھ ڈالے۔

میں ایک ایک چہرے پہ نظر دوڑا تا رہا۔ سب چہرے غبار آلود اور خون بداماں تھے۔ اور کوئی ایسی علامت باقی نہ رہ گئی تھی جو ایک چہرے کو دوسرے سے متمیز کرتی۔ آخر میں میری نگاہیں ایک مخصوص چہرے پہ گڑ گئیں۔ یہ انسان طلوعِ آفتاب سے پہلے یہاں آیا تھا۔ نہ جانے کیوں تاریکی کے دوران میری نظریں اُس پہ مرکوز رہیں۔ یہاں تک کہ جب دن طلوع ہوا تو میں نے اُسے صاف صاف دیکھ لیا۔ اس سے پیشتر چند لمحات تک تو میرا ذہن گذشتہ فوجی افسر کے مارے جانے کے واقعہ پہ اس قدر کھویا رہا کہ کسی اور چیز کا ہوش نہ رہا مگر اب ذرا ذہن نے سکون لیا تو اس نئے انسان کو بغور دیکھنے کا موقع میسر آ گیا۔

یہ نیا انسان بڑا خوش شکل اور گل اندام تھا۔ ۲۵ سال کے لگ بھگ عمر ہو گی۔ اُس کے ہونٹوں پہ بُجھا بُجھا تبسم تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں ایسا تبسم جیسے شمع آخری ہچکی لے رہی ہو۔ اِس گلبدن نے نہایت نفیس پوشاک زیب تن کر رکھی تھی۔ ڈاڑھی اور مونچھیں دونوں صاف تھیں۔ ایک وارفتگی کے عالم میں وہ سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے کھیلنے کی کوشش کرتا اور پھر اپنی نگاہیں ایک مخصوص جگہ پہ گاڑ دیتا۔ اُس کی کوشش ہوتی کہ ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھیرے۔ مگر وہ مسکراہٹ بجھی بجھی ہوتی یا یوں سمجھیے کہ وہ بجھنے کے قریب ہوتی۔ میں بے خودی میں سب چہروں کو بار بار دیکھ کر ہر بار اس انسان کے چہرے کو تاکنے لگتا۔ اُسے بھی اندازہ ہو گیا کہ میں رہ رہ کر اُسے تاکتا ہوں۔ میں دل میں کہتا: کیا اس انسان کو میں نے پہلے کہیں دیکھا ہے! کہاں دیکھا اور کب دیکھا ہے! اس انسان کا چند لمحات کے بعد کیا انجام ہونے والا ہے! اور خود میرا انجام کیا ہو گا! ہم سب فنا کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں۔ موت کی بُو ہم سب کو شدت سے آ رہی ہے —— یہاں ایک ہی حقیقت سے ہم سب کا پالا ہے اور وہ ہے حتمی اور یقینی موت۔

وہ نوجوان میرے قریب ہوا۔ مجھ سے وہ پہلے بھی دو چار بالشت سے زیادہ دُور نہ تھا۔ بڑی سنجیدگی کے ساتھ میرے کان میں کہنے لگا: "میں آپ کو ایک نہایت اہم بات بتانا چاہتا ہوں۔" یہ سُن کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ یہ نوجوان آخر کونسی غیر معمولی بات میرے علم میں لانا چاہتا ہے۔ میں نے

اپنے آپ سے اس مبہم خطرے کو ٹالتے ہوئے اس سے کہا: میں آپ کو نہیں جانتا ہوں اور نہ کبھی اس سے پہلے آپ کو دیکھا ہے۔ اس نے سنی ان سنی کر دی۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کی مسکراہٹ میں تازگی آگئی ہے۔ مگر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس کی مسکراہٹ میں کوئی تازگی نہ تھی بلکہ یہ میرا وہم تھا۔

اس نے مجھ سے کہا: میرا نام عاطف ہے۔ میں بنک آف مصر میں کام کرتا ہوں۔

برادرم میں آپ کو نہیں جانتا۔ اور آپ کا نام سن کر بھی مجھے کوئی سابقہ تعلق نہیں یاد آرہا۔

آواز بلند نہ کریں اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُسے غور سے سُنیں۔

میں نے دل میں سوچا کہ شاید یہ نوجوان کسی اُلجھن میں گرفتار ہے۔ اور اُسے یہ خیال ہے کہ میں اُس کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔ دل پر پتھر رکھ کر آخر میں نے اس کی بات سننے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بڑے حوصلے کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوا۔ اُس کی رنج و غم میں ڈوبی ہوئی نظریں دیکھ کر میں یک دم کرب میں مبتلا ہو گیا۔ اور میں نے اس سے کہا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں حاضر ہوں۔ مگر اے کاش کہ میں آپ کو کچھ پیش کر سکتا۔ کہنے لگا:

کیا فی الواقع آپ مجھے نہیں جانتے؟

ہرگز نہیں جانتا۔

یاد کیجیے۔ آپ کا چہرہ میرے لیے نامانوس نہیں ہے۔ میرا ذہن یہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کو کسی جگہ دیکھا ہے۔

یقین جانیے، میں نے اس سے پیشتر آپ کو نہیں دیکھا۔

تو پھر آپ کا چہرہ مجھے مانوس کیوں نظر آرہا ہے؟

مجھے نہیں معلوم۔

کیا آپ راز چھپا کر رکھ سکتے ہیں؟

یقیناً۔ لیکن کیا ممکن نہیں ہے کہ یہاں آپ اپنے راز اپنے پاس ہی چھپا کر رکھیں۔ شاید۔

شاید؟ کیا شاید؟ ہر انسان راز چھپا کر رکھ سکتا ہے۔

بشرطیکہ وہ انسان کوڑوں سے زیادہ مضبوط ہو۔

کیا کوڑا انسان سے مضبوط ہے؟

شاید ۔

پروا نہیں۔ میں اپنا راز آپ کو بتائے دیتا ہوں ۔

میں آپ کو صبر کا ہی مشورہ دوں گا ۔

چھوڑیے یہ بات ۔ میری سنیے۔

آپ مجھے ہی خاص طور پر اپنی بات کیوں بتانا چاہتے ہیں ؟

آپ کا چہرہ مجھے مانوس نظر آرہا ہے ۔

کیا آپ کو یہ خدشہ نہیں ہے کہ آپ کا اندازہ غلط ہو ۔

پروا نہیں ۔

درحقیقت آپ میرے اندر دلچسپی پیدا کر رہے ہیں ۔

اس لیے کہ شاید ہم دو دوست ہیں ۔

ماضی میں تو ہم دوست نہیں رہے ۔

میرا مقصد یہ ہے کہ اب ہم رشتۂ دوستی استوار کرلیں ۔

آپ کو دراصل مذاق کی سوجھی ہے ۔

ہرگز نہیں ۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں ۔

یہ سن کر میں نے اس عجیب و غریب انسان پر بے ساختہ ایک خندۂ استہزاء لگایا ۔ کیا ان حالات میں اُسے دوستی کا رشتہ استوار کرنے کی سوجھی ہے ؟ مگر شاید آنے والے خطرے کے احساس نے اُسے باہم تعلق قائم کرنے پر مجبور کیا ہو ــــــــ یا شاید وہ کسی بات کا سہارا لینا چاہتا ہے ۔ شاید .... شاید ....

اُس کا صباحت آمیز اور شرافت سے لبریز چہرہ حزن و ملال میں ڈوبا ہوا نظر آیا اور اُس کی چشم دنبالہ دار کے جھروکوں سے جو نظریں چھن چھن کر ادھر اُدھر بکھر رہی تھیں اُن میں بھی رنج و اندوہ کی غیر معمولی آمیزش تھی ۔ دوسری مرتبہ اُس نے ایک مسکراہٹ لی ۔ پیار سے بھری ہوئی اور اخلاص و عقیدت میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ ۔ ایک خوشگوار لمحہ پیدا ہوگیا ۔ مجھے بھی ہنسی آنے لگی ۔ میں نے عرض کیا :

مجھے منظور ہے ۔ کوئی حرج نہیں ، ہم دوست بن جاتے ہیں ۔ میرا نام ہے ......

(بات کاٹتے ہوئے) ہاں میں اپنا راز بتانا بھول گیا ۔

کیا راز ہے؟

وہی راز جس کے بارے میں مَیں ابھی آپ کو اشارہ کر چکا ہوں۔

کوئی حرج نہیں۔ بتایئے۔ مَیں کان دھر کر سن رہا ہوں۔

اُس نے وفورِ احتیاط سے اِدھر اُدھر جھانکا۔ سنجیدگی اور موضوع کی اہمیت کی علامتیں اس کے چہرے سے عیاں تھیں۔ کہنے لگا:

اس موضوع کا تعلق نبیلہ سے ہے۔

نبیلہ؟

جی ہاں۔

کونسی نبیلہ؟

صبر کیجیے۔ میں ہر چیز آپ سے عرض کیے دیتا ہوں۔

میرے دل میں از سرِ نو خوف کے جذبات اُبھر آئے۔ اور ابھی ابھی جو خوشگوار لمحہ پیدا ہوا تھا وہ کافور ہونے لگا۔ کیونکہ اس جگہ مَیں کسی بھی لڑکی کا نام سننا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ حالت یہ تھی کہ ادھر ہونٹوں پر کسی انسان کا نام آتا اور اُدھر پلک جھپکنے میں اُسے یہاں لے آیا جاتا۔ خواہ وہ انسان ـــ بقولِ افسرانِ جیل ـــ عفریت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن عاطف صاحب نے میرے افکار و خیالات پر جو میرے ذہن میں موجزن تھے، کچھ توجہ نہ دی۔ وہ بات چیت کے شوق میں تھے۔ بڑی پیار سی آواز کے ساتھ کہنے لگے: "مجھے اُس سے بڑی محبت تھی۔ وہ بھی مجھ سے بہت پیار رکھتی تھی۔" مجھے بھی تمسخر کی شوجھی۔ میں نے اُسے کہا: "تو کیا آپ یہاں مجھے اپنے عشق و محبت کی داستان سُنانا چاہتے ہیں؟

اُس نے بڑی سنجیدہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا: ہاں۔ اس میں کیا عیب ہے؟" مَیں نے کہا، بات تو کچھ نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ جگہ ایسی کہانیوں کے لیے غیر مناسب نہیں ہے؟" کہنے لگا: میں تو بالکل مناسب سمجھتا ہوں۔"

میں نے اس کے چہرے کو ذرا غور سے پڑھا۔ وہ مسکین پوری طرح وارفتگی اور دیوانگی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ مجھے اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب گہری نظروں سے میں نے اُسے دیکھا۔ میرے دل کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ یہ مسکین بالکل غیر معتدل حالت میں ڈوب

رہا تھا۔ جس انداز میں اُسے جیل میں لایا گیا ہے اُس سے وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ مجھے شدید حیرت ہوئی۔ سوچا کہ اب اس کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ ــــــ کچھ نہیں کر سکتا۔ اتنے میں وہ یکایک زار زار رونے لگ گیا۔ اور اُس کی زبان سے اسی حالت میں یہ کلمات نکلنے لگے۔: اُسے زبردستی اُٹھا کر لے گئے۔ میں نے خدا کا واسطہ دے کر انہیں کہا کہ اسے چھوڑ دیں۔ مگر انھوں نے کچھ نہ سُنی۔ وہ لڑکی بڑی بھلی تھی"۔

اُس کے درد بھرے الفاظ نے میرے احساس وشعور میں ہنگامہ محشر بپا کر دیا۔ میں نے یکایک اُس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا:

کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں آپ؟

نبیلہ کے بارے میں۔ کل ہماری شادی ہونے والی تھی۔ نکاح خواں بھی آ گیا تھا ــــــ لیکن.....

لیکن کیا ہوا؟

مجھے اور اُسے دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُسے گھسیٹ کر لے گئے۔

کون اُسے گھسیٹ کر لے گیا؟

ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ۔

نکاح کے دوران ہی؟

جی ہاں۔ ابھی نکاح پڑھا نہیں گیا تھا۔

کیوں لے گئے؟

کچھ نہیں معلوم۔

معلوم ہوتا ہے تم دونوں کا تعلق اخوان المسلمون سے ہے۔

میں اور وہ دونوں مسلمان ہیں ــــ اسلام پسند ہیں۔

یہ سُرخ اندھیروں کا زمانہ ہے۔ انٹیلی جنس کے لوگ مسلمانوں یا دوسرے لفظوں میں اسلام پسندوں کو چُن چُن کر پکڑ رہے ہیں۔

کسے خوش کرنے کے لیے؟

روس کو خوش کرنے کے لیے۔ امریکہ کو خوش کرنے کے لیے۔ یہودیوں کو خوش کرنے کے لیے۔

یہودیوں کو خوش کرنا بھی مقصود ہے؟

بے شک۔

کیا ہم یہودیوں کے دشمن نہیں ہیں؟ — کیا ان کے ساتھ ہماری جنگ نہیں ہے؟

ہماری گفتگو سن کر ایک ضعیف العمر قیدی ہمارے قریب ہوگیا۔ اس کی پیشانی پہ سجدہ کے نشان کے پاس سے خون کی دھار بہہ رہی تھی۔ وہ کہنے لگا: اوپر اوپر سے ہم یہودیوں کے خلاف ہیں۔ لیکن حقیقت میں ہم ان کے سچے اور وفادار خادم ہیں۔

میں نے کہا: "ہم کون؟"

بوڑھا قیدی: ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ، امن عامہ قائم کرنے والے ادارے اور ان کے سرپرست۔

راقم: آپ بہت خطرناک بات کر رہے ہیں۔

قیدی: میں سچ بات کہہ رہا ہوں۔ حکمرانوں کا رویہ قوم کو کمزور کر رہا ہے۔ یہ قوم آئندہ جنگ نہیں لڑ سکے گی۔

راقم: کونسی جنگ؟

قیدی: یہ پکڑ دھکڑ جونہی ختم ہوگی، ہمارا ملک اسرائیل کے ساتھ ایک نئی جنگ میں داخل ہوگا۔ مگر ہم اسرائیلیوں سے عبرتناک شکست کھا جائیں گے۔ یہ شکست قوم کی بنیاد ہلا کر رکھ دے گی۔

راقم: بخدا یہ آپ نے بڑی اچنبھے کی بات کہی۔

قیدی: آنے والے دن آپ کے لیے وہ خبریں لائیں گے جو اب آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔

عاطف بیچارہ ہمارے پاس چپ چاپ بیٹھا رہا۔ منتشر و پراگندہ خیال۔ ہماری گفتگو کو وہ شاید نہیں سمجھ سکا۔ وہ اپنی ہی دنیا میں مگن بڑبڑاتا رہا۔ اور بار بار یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلتے: جب ہم آئے تو وہ لوگ اسے گھسیٹ کر کسی جگہ لے گئے۔ کہنے لگے ہم دونوں کو جیل بھیجا جا رہا ہے۔ انسپکٹر نے مجھ سے شادی کی انگشتری بھی لے لی"۔ بوڑھا مجروح قیدی اسے کہنے لگا "کیا یہ انگشتری سونے کی تھی؟" عاطف نے جواب دیا: "جی ہاں سونے کی تھی"۔ بوڑھے شیخ نے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ سونا مردوں کے لیے حرام ہے؟

یوں ہر شخص اپنے ہی خیالات و افکار کے گرد گھوم رہا تھا۔ مجھے یہ فکر کہ خانقاہ والا شعبان کون ہے اور کہاں ہے۔ عاطف کو یہ غم کہ اُڑنے بھی نہ پائے تھے کہ گرفتار ہوئے۔ اور شیخ اس سوچ میں غرق کہ یہودی اس ملک پہ چڑھ دوڑنے والے ہیں۔ (باقی)